منیر نیازی کی شاعری میں وجودی کرب کے عناصر کا تحقیقی جائزہ

ڈاکٹر انور الحق، شعبہ اردو جامعہ پشاور

نازیہ شاہد

Abstract:

The new landscape of Urdu poetry is not merely a marquee of poetic aesthetics, but is shaped by the political, social, economic, societal and philosophical movements and attitudes of the twentieth and twenty-first centuries. It resonates in the halls of modern Urdu poetry and in these movements an important philosophical and psychological movement has existed whose basic patterns also influenced Urdu poetry in a special way. Munir Niazi is one of the poets influenced by this movement. Important in many respects. In the poet of Munir Niazi, the formation of the elements of existential anguish, love, caste, self-centeredness, meaninglessness, meaninglessness, alienation, loneliness, loneliness, sadness, indecisiveness, indecisiveness, fear of the unknown, helplessness, confusion, terror, remorse. , Frustration and helplessness, etc., which are important existential attitudes.

خلاصہ:

اردو شاعری کا نیا منظر نامہ، محض شعری جمالیات کا مرقع نہیں بلکہ بیسویں اور اکیسویں صدی کے سیاسی، سماجی، معاشی، معاشرتی اور فلسفیانہ تحریکوں اور رویوں سے اس کے وجود کی تشکیل ہوتی ہے تاہم مذکورہ رویوں اور تحریکوں کی بازگشت بھرپور انداز میں جدید اردو شاعری کے ایوانوں میں گونجتی ہوئی سنائی دیتی ہے اور ان تحریکوں میں ایک اہم فلسفیانہ اور نفسیاتی تحریک وجودیت کی ہے جس کے بنیادی سانچوں نے اردو شاعری کو بھی خاص انداز میں متاثر کیا، مذکورہ تحریک سے متاثر شعرا میں منیر نیازی کا نام کئی حوالوں سے اہم ہے منیر نیازی کی شاعری میں وجودی کرب کے عناصر کی تشکیل، تعشق ذات، خود مرکزیت، لایعنیت، بے معنویت، اجنبیت، بے گانگی، تنہائی، اداسی، نارسائی عدم فیصلگی نامعلوم کا خوف، بے زاری، الجھن، دہشت، پیشمانی، مایوسی اور بے چارگی وغیرہ جیسے اہم وجودی رویوں سے ہوتی ہے زیر نظر آرٹیکل میں مذکورہ مباحث پر تفصیلی اور مدلل بحث ہو گی۔

کلیدی الفاظ: وجودیت، تنہائی، اداسی، خوف، وجود نارسائی، بے چارگی، لایعنیت، بے گانگی،

معاصر شعری منظر نامے کے قصرِ عظیم الشان کی تعمیر و تشکیل میں جن شعرا کے فنی کمالات اور فکری فتوحات، تخلیقی سنگ و خشت کا کام دے گئے ہیں ان میں منیر نیازی کی شاعری فکری تنوع، فنی بو قلمونیوں اور لازوال تخلیقی و

اختراعی قوتوں کے باوصف خاص اہمیت کی حامل ہے اور اس کی سب سے بڑی وجہ نا صرف منیر نیازی کی نابغہ شخصیت ہے بلکہ فکر و فن کی تمام ندرتوں اور جدتوں سے بھرپور ایسی شاعری ہے جو تمام تر معاصر شعری رویوں اور ادبی تحریکوں کو جذب کرتی نظر آتی ہے مذکورہ معاصر شعری رویوں میں ایک اہم رویہ وجودی کرب کا ہے، لیکن جس طرح بیسویں صدی کی دوسری تحریکوں نے اردو شعر و ادب کو متاثر کیا اسی طرح وجودیت کی تحریک نے اردو شعر و ادب پر بھی غیر معمولی اثرات ڈالے اور متعدد بڑے بڑے شعرا اور ادبا نے مذکورہ تحریک سے متاثر ہو کر ایسا ادب تخلیق کیا جس نے ناصرف اردو ادب کے دامن کو وسعتوں سے مالامال کیا بلکہ فرد کے بنیادی جذبات کو بھی منثور اور منظوم ادب کے پیکر میں ڈھال کر ایک اہم اور جدید تر فلسفے (وجودیت) کے تناظر میں پیش کیا۔

جیسا کہ پہلے بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ منیر نیازی کی شاعری تقریباً تمام معاصر شعری رویوں کا احاطہ کرتی نظر آتی ہے تاہم ان کی شاعری میں وجودی کرب کے عناصر بھی ایک خاص انداز سے ملتے ہیں لیکن ان کی شاعری میں وجودی کرب کے عناصر کا تجزیہ کرنے سے قبل ان کی شخصیت و شاعری اور وجودیت کے مباحث کا اجمالی جائزہ پیش کرنا ناگزیر ہے۔

منیر نیازی کا اصل نام محمد منیر، تخلص منیر اور قبیلہ نیازی ہے، مختلف محققین کی آرا(۱) اور ان کا قومی شناختی کارڈ، جو کہ ۲۱ فروری ۱۹۷۷ء کو جاری ہوا کہ مطابق ان کی تاریخ پیدائش ۱۹ اپریل ۱۹۲۸ء ہے، جب کہ پنجاب یونیورسٹی کے رزلٹ گزٹ ۱۹۳۹ء کے مطابق انھوں نے ۱۹۳۹ء میں دسویں کا امتحان پاس کر لیا جہاں ان کی تاریخ ولادت ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۲ء درج ہے(۲) مزید برآں منیر نیازی کی بہن کے مطابق ان کی تاریخ پیدائش ۱۹۲۳ء بہر حال اگر موخر الذکر رائے کو صحیح مان لیا جائے تو ناصرف قرین قیاس ہے بلکہ عین عقل کے مطابق ہے کیوں کہ میٹرک پاس بچے کی عمر عموماً سولہ سال ہوتی ہے تو ۱۹۲۲ء صحیح تر ٹھہرتا ہے، جہاں تک ان کی بہن کی رائے کا تعلق ہے تو وہ یقیناً ایک ٹھوس داخلی شہادت ہے اور مذکورہ دو آرا کی روشنی میں ۱۹۲۲ء اور ۱۹۲۳ء کو صحیح تر ٹھہرایا جا سکتا ہے، تاہم ۱۹۲۸ء یقیناً غلط ہے۔ مزید برآں دیگر داخلی شہادتوں کی بنا پر بھی ان کی تاریخ پیدائش ۱۹۲۲ء ہی بنتی ہے۔(۳)

منیر نیازی کے والد کا نام فتح محمد خان نیازی تھا جو کہ محکمہ انہار میں ایگزیکٹو انجینئر کی حیثیت سے بہاولپور میں برسر روزگار تھے۔ ان کی موت شدید طوفان میں بھاری درخت کے نیچے دب جانے کی وجہ سے ہوئی تھی اس دوران وہ نماز کے لیے وضو کر رہے تھے اور بہاول پور میں ہی دفن ہوئے، منیر نیازی کے دادا کا نام محمد علی خان نیازی تھا جن کا سلسلہ نسب

چھٹی پشت میں معروف جنگی کمان دان سلیمان خان نیازی سے ملتا ہے جنہوں نے سلطان پور اور جالندھر میں بندہ سنگھ بیراگی کے خلاف بے جگری سے لڑ کر اپنی جنگی مہارت اور دلیری کی مثال قائم کی تھی ۔ سلیمان خان نیازی ، خان پور بستی کے مورثِ اعلیٰ احمد خان نیازی کے اکلوتے بیٹے تھے جنہوں (احمد خان نیازی) نے اورنگزیب عالمگیر کے دور میں اپنی بہادری، قابلیت ، جنگی مہارت اور دلیری کے بل پر ریاست ماؤ کو فتح کر کے حکمرانان وقت سے مراعات اور جاگیریں حاصل کیں اور خان پور ہی کو اپنا مسکن بنایا۔

منیر نیازی کی والدہ رشیدہ بیگم افغان قبیلے مہمند شیخانی کی بااثر شخصیت حوالدار شہاب الدین خان کی بیٹی تھیں جو کہ پڑھی لکھی ہونے کے علاوہ صاحب ذوق، شوقین مطالعہ اور نہایت سلجھی، نکھری، ستھری اور سگھڑ شخصیت کی مالکہ تھیں، جو کہ ایک ٹریفک حادثہ میں دس نومبر ۱۹۸۰ء کو شہید ہو گئیں ۔ منیر نیازی نے اپنے شعری مجموعے "ساعت سیار" کا انتساب اپنی والدہ کے نام لکھا ہے جب کہ شعری مجموعے "آغاز زمستاں میں دوبارہ" کا انتساب اپنے والد مرحوم کے نام کیا ہے منیر بچپن میں بہت صحت منداور کھیلوں کے شوقین تھے گھڑ سواری سے لے کر تیراکی تک تمام کھیل بھرپور انداز میں کھیلتے تھے ،ابتدائی تعلیم خان پور میں حاصل کی میٹرک لاہور سے جب کہ انٹر میڈیٹ کا امتحان صادق ایجرٹن کالج سے درجہ سوم میں پاس کیا،بی اے کے لیے دیال سنگھ کالج میں داخلہ لیااور پھر امر سنگھ کالج سری نگراور اسلامیہ کالج جالندھر مائیگریشن کی لیکن حاضریاں کم ہونے کی وجہ سے کہیں بھی امتحان نہ دے پائے اور پھر ۱۹۴۷ء کے فسادات شروع ہو گئے۔

منیر نیازی نے پہلی شادی صغرا خانم سے ۱۹۶۱ء میں کی جن سے وہ بے حد محبت کرتے تھے لیکن جب چھاتی کے سرطان کے سبب وہ فوت ہوئیں تو دوسری شادی بانو قدسیہ اور اشفاق احمد کے شدید اصرار پر ناہید نیازی سے کی۔ ۲۵ دسمبر ۲۰۰۶ء کو علی الصباح اٹھے تو ہائی بلڈ پریشر اور تیز بخار نے ہلکان کر دیا ہسپتال میں انھیں انتہائی نگہداشت (ICU) میں منتقل کر دیا گیا مگر صحت مستقل بگڑتی رہی بالآخر ۲۶ دسمبر ۲۰۰۶ء بروز منگل دل کی دھڑکنوں نے بے وفائی کی اور خالق حقیقی سے جاملے،لاہور میں ماڈل ٹاؤن مڑیاں والا قبرستان میں آسودۂ خاک ہیں جس کے کتبے پر درج ذیل شعر درج ہے۔

بیٹھ جائیں سایہ دامانِ احمد میں منیر
اور پھر سوچیں وہ باتیں جن کو ہونا ہے ابھی

منیر نیازی کی کل چوراسی سالہ زندگی میں ان کا تخلیقی سفر تقریباستاون سالہ طویل عرصے پر محیط ہے جس میں انہوں نے تیز ہوااور تنہا پھول، جنگل میں دھنک، دشمنوں کے درمیان شام، ماہِ منیر، چھ رنگین دروازے، آغاز زمستاں میں دوبارہ، ساعت سیار، پہلی بات ہی آخری تھی، ایک دعا جو میں بھول گیا تھا، سفید دن کی ہوااور سیاہ شب کا سمندر، اور، ایک مسلسل، جیسے گیارہ یادگار اردو شعری مجموعوں سے اردو شاعری کا دامن مالا مال کیا، اس کے علاوہ سفر دی رات، چار چپ چیزاں اور رستہ دسن والے تارے، ان کے تین پنجابی شعری مجموعے فکر و فن کا اعلیٰ نمونہ ہیں۔ مزید برآں نثر میں انھوں نے کالم نگاری، دیباچے، فلیپ، اداریے اور تبصرے خوب جم کے لکھے۔ اس کے علاوہ انھوں نے ایک سات صفحے کا افسانہ، ایک ادھورا ناول اور دو پنجابی ڈرامے بھی لکھے، یہ تو منیر نیازی کی شخصیت اور تخلیقی شخصیت کی کل کائنات تھی جس پر اجمالی بحث کے بعد وجودیت کا سرسری تعارف پیش کیا جاتا ہے۔

وجودیت Existentialism، دراصل فلسفے کا ایک اہم اور جدید نظریہ ہے جس کے بانی دراصل عیسائی فلسفی سورین کرکیگارڈ kierkegard ہیں وجودیت نے جدید شاعری اور ادب پر دوررس اثرات مرتب کئے بالخصوص شعر و ادب میں یہ فلسفیانہ اور نفسیاتی تنقید کی باقاعدہ ایک اہم اصطلاح بن گئی۔ وجودیت ہی وہ فلسفہ ہے جس نے فلسفہ کی تاریخ میں پہلی بار وجود کو جوہر پر مقدم جانا لیکن یہاں پر وجود سے مراد متصوفانہ فلسفے والا وجود مطلق مراد نہیں، بلکہ اس سے واضح اور دوٹوک انداز میں انسانی وجود ہی مراد ہے بہر حال وجودیت کے حوالے سے جتنے بھی مباحث آج تک اردو تنقید میں سامنے آئے ان میں وجودیت کے مفاہیم اور مباحث کو ڈاکٹر شاہین مفتی نے جس انداز میں سمیٹا وہ نا صرف جامع اور وقیع ہے بلکہ وجودیت کے مفاہیم و مباحث کو سمجھنے کے لیے کلیدی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے مطابق:

> "وجودیت نا تو صرف فلسفہ ہے نہ فلسفیانہ رد عمل (revolt) بلکہ یہ اس کائنات میں انسانی موجودگی کا ایک اعلان ہے یہ وہ رویہ ہے جو انسانی دنیا میں عدم فیصلگی کی نشاندہی کرتا ہے وہ (انسان) اس مخمصے میں ہمیشہ گرا رہتا ہے کہ وہ کون ہے؟ اسے اس دنیا میں کون لایا؟ اس کا خالق اس کی نظروں سے اوجھل کیوں ہے؟ اسے موت ہی سے ہمکنار کرنا ہوتا ہے تو پھر زندگی کا جواز کیا ہے؟ اس کے ذاتی فیصلوں کی حیثیت کیا ہے؟ اس کا مقصد کیا ہے؟ اس کی قیمت کیا ہے؟ ا نسان اور فطرت کی مشترک قدریں کیا ہیں؟ حرکت توانائی، اشیا اعمال اور افکار کے تضادات کیا ہیں؟ اس کثیر المقاصد دنیا میں انسان کا تنہا وجود کیا ہے؟ یہ تنہا وجود بطور فرد کن اقدار کا حامل ہے

اس کی ذاتی زندگی، ذاتی آزادی، ذاتی گناہ و ثواب، ذاتی حزن، ذاتی اخلاق، ذاتی روابط، ذاتی موت، اور ذاتی نجات کیا درجہ رکھتی ہیں"(۴)

درج بالا اقتباس میں شاہین مفتی نے نا صرف وجودیت کی جامع و تسلی بخش تعریف کی ہے بلکہ وجودیت کی تقریباً تمام بنیادی مباحث کا خلاصہ پیش کر دیا ہے۔ اب مذکورہ مباحث کی روشنی میں دیکھا جائے تو بآسانی اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ وجودی مفکرین، شعرا ادبا، اور تخلیق کاروں کی فکر کا مرکز و محور وجود انسانی اور اس کے مسائل ہیں۔ اب پس منظری حوالوں میں دیکھا جائے تو مذکورہ موضوع اور محور فکر (انسان/انسانی مسائل) تو ہمیشہ سے ہی شعر و ادب اور فلسفے کا بنیادی موضوع رہا ہے لیکن وجودیت پسندوں کا طرز فکر اس حوالے سے منفرد و ممتاز ہے کہ یہ مسائل انسان کے کرب، الجھن، کشاکش، بے زاری، تنہائی، علاحدگی، بے گانگی، خوف، دہشت پشیمانی، پریشانی، مایوسی، محرومی، بے کسی، بے چارگی، لایعنیت، مہملیت، لغویت، اور بے مقصدیت سے تعلق رکھتے ہیں"۔(۵)

منیر نیازی کی شاعری میں مذکورہ وجودی عناصر گہرے اور شوخ انداز میں پائے جاتے ہیں جن کی تشکیل و تعمیر معاصر شعری رویوں سے متاثر ہونے کے علاوہ مخصوص ذاتی و شخصی پس منظر کی حامل ہے اور وہ یوں کہ اگر انفرادی طور پر ذاتی زندگی کی محرومیاں اور نارسائیاں، بچپن میں والد کے انتقال، والدہ کی دوسری شادی، پہلی بیوی کی ہولناک موت، دوسری شادی کا اہتمام، ملازمت کے دوران بارہا فرار وغیرہ ان کے ہاں وجودی عناصر کے جراثیم پیدا کرنے کا سبب بنے تو اجتماعی سطح پر اداسی، تنہائی، ہجرت کا کرب، فسادات کی خوں ریزی، رفتگاں کی یاد، تہذیبی اقدار کی پامالی، مذہبی اقدار کی شکست و ریخت، معاشرتی اور سیاسی جبر، نیز معاشرتی سطح پر منافقت لالچ اور خود غرضی نے ان کی شخصیت اور شاعری میں وجودی اثرات کو اس انداز میں بھر دیا کہ ان کے پاس اپنی ذات یا وجود سے رابطہ کرنے کے علاوہ کوئی راستہ نہیں بچا۔ تاہم وجود کا سفر کرنے کے بعد وجود یا ذات کے حوالے سے انھوں نے مختلف سوالات اٹھائے۔

یہ آنکھ کیوں ہے ؟ یہ ہاتھ کیا ہے
یہ دن کیا چیز ہے؟ رات کیا ہے ؟
گماں ہے کیا اس صنم کدے پر
خیال مرگ و حیات کیا ہے ؟

فغاں ہے کس لیے دلوں میں
خروش دریائے ذات کیا ہے ؟(۶)

اس کے علاوہ سارتر، کامیو، کافکا، اور البیئر جیسے وجودی مفکرین کی تحریروں کے مطالعے نے منیر نیازی کے اندر وجودی اثرات کو مستحکم کر لیا، اور پھر جب انہوں نے اس قدر حشر انگیز اور بلاخیز دور میں اپنے وجود یا ذات کا سفر تخلیق کے رہوار پر کیا تو ان کے ہاں مخصوص وجودی عناصر ایک خاص انداز میں ابھر کر ان کی منظومات اور غزلیات کی صورت میں شاعری کے افق پر نمودار ہوئے اور ان کے پہلے شعری مجموعے (تیز ہوا اور تنہا پھول) کی آخری نظموں اور غزلوں سے لے کر آخری مجموعے (ایک مسلسل) تک متواتر ایک خاص انداز میں تنہائی، اداسی، خوف حیرت، تعشق ذات، خود مرکزیت، نفسیاتی خود سپردگی، جبریت، لایعنیت، لغویت، عدم فیصلگی اور اجنبیت وغیرہ کی صورت میں ابھر ابھر کر سامنے آتے ہیں۔

منیر نیازی کے ہاں وجودیت کے سفر کا آغاز سب سے پہلے ان کے تعشق ذات اور خود مرکزیت سے ہوتا ہے اور یہ ہونا بالکل فطری امر تھا کہ جب ہر طرف مادیت کا غلبہ ہو، جذبوں کا قتل عام ہو، انسانیت کا شیرازہ بکھر رہا ہو، مذہبی اور تہذیبی اقدار کی پامالی ہو رہی ہو تو ایک باحواس اور ہوش مند تخلیق کار جو پہلے سے ذاتی و نفسیاتی مسائل کے ساتھ ساتھ نرگسیت میں بھی مبتلا ہو، ان کے ہاں خود مرکزیت یا ذات کی جانب سفر کوئی تعجب انگیز تجربہ نہیں، تاہم اپنی نظموں جادو گر اور ابھیمان میں اگر ایک طرف وہ خود کو غیر معمولی صلاحیتوں کا حامل اور اپنے عہد کا نجات دہندہ گردانتے ہیں تو دوسری طرف نظم "وجود کی اہمیت" میں کائنات کو بے معنی قرار دے کر انسانی وجود کو مرکز کائنات گردانتے ہیں، لیکن اگلے ہی لمحے اور اس انداز کی لے ان کی نظموں، غزلوں اور مزید تند و تیز ہوتی نظر آتی ہے۔

بس اتنا ہوش ہے مجھ کو کہ اجنبی ہیں سب
رکا ہوا ہوں سفر میں کسی دیار میں ہوں(۷)
ہے میرے گرد کثرت شہرِ جفا پرست
تنہا ہوں اس لیے ہوں میں اتنا انا پرست(۸)

پھر اس کے بعد مذکورہ تنہائی بڑھتے بڑھتے لایعینت و بے گانگیت کا روپ اختیار کر لیتی ہے لیکن بات یہاں نہیں رکتی، کیونکہ ان کی تنہائی محض ان کے وجود تک موقوف نہیں بلکہ تنہائی کا یہ کرب خدا کی ذات تک پہنچ جاتا ہے اور اس حوالے سے ان کی نظم "خدا کو اپنے ہم زاد کا انتظار ہے" اہم نظم ہے مذکورہ تنہائی کا کرب بڑھتے بڑھتے ان کے ہاں خوف،

مایوسی، بے چارگی، بے بسی اور نارسائی جیسے نمایاں وجودی حوالوں کو جنم دیتا ہے جس کا ایک سرا اگر معاشرتی و سماجی بے بسی و لاچارگی تک پہنچتا ہے تو دوسرا سرا ان کے جسم و جنس کی خواہشات میں بے بسی لاچارگی اور نارسائی تک پہنچتا ہے۔

ہم بھی آئے منیر ہستی میں
رسم تھی اک جسے نبھانا تھا (۹)

میں ہوں بھی اور نہیں بھی یہ عجیب بات ہے
یہ کیسا جبر ہے میں کس کے اختیار میں ہوں(۱۰)

منیر نیازی کے ہاں وجودی عناصر کا دوسرا بڑا حوالہ خوف کا حوالہ ہے جس کے لیے معروف افسانہ نگار انتظار حسین نے نامعلوم کا خوف کی اصطلاح استعمال کی ہے(۱۱) منیر کی پوری شاعری میں اول تا آخر ایک پر آسیب اور وحشت زدہ کیفیات سے لبریز فضا ملتی ہے اور خوف کا یہ عنصر نا صرف ان کی شاعری کا خاص حصہ ہے بلکہ ان کی شخصیت کا ایک نمایاں عنصر بھی ہے جن کے اولین نقوش بچپن میں ان کے والد کی وفات کے بعد ملتے ہیں مزید برآں ماحول میں غیر یقینی صورت حال اور عدم تحفظ کے احساسات کے علاوہ خان پور کی رومان پرور اور پر آسیب فضا، فلک بوس پہاڑ اور خارج میں ہونے والی سفاکی اور ناانصافی کو شدت سے محسوس کرنا، یہ سارے عناصر ان کے خوف کا باعث بنتے ہیں۔ خوف کے عناصر کے بارے میں خود انہوں نے کہا تھا کہ " خوف میری خوراک ہے"۔(۱۲)اس حوالے سے ان کی غزلیہ شاعری سے دو شعر بطور سند درج کیے جاتے ہیں۔

دیکھے ہیں وہ نگر کہ ابھی تک ہوں خوف میں
وہ صورتیں ملی ہیں کہ ڈر جائے آدمی (۱۳)

چار چپ چیزیں ہیں بحر و بر فلک اور کوہسار
دل دہل جاتا ہے ان خالی جگہوں کے سامنے (۱۴)

البتہ مجموعی طور پر ان کے خوف کا سب سے بڑا محرک ان کے وجودی عناصر ہیں جو آفاقی سطح پر بیسویں صدی کے فرد کا ایک نمایاں تجربہ رہا ہے، بالخصوص دوسری جنگ عظیم کی ہولناکی، مذہب گریزرویوں اور سیکولرزم کی دھند میں انسان نے اپنا وجود کھو دیا اور آج تک اپنے وجود کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ اس حوالے سے منیر نیازی کی نظمیں لیلا، طلسمات، خالی مکان میں رات، میں اور شہر، آتما کا روگ، چڑیلیں اور کال اہم نظمیں ہیں لیکن یہ خوف عمومی انداز کے ڈرپوک یا کم

ہمت انسان کا خوف نہیں بلکہ بھر پور تخلیقی رویوں پر مبنی خوف ہے۔ منیر نیازی کے مذکورہ خوف کی توجیح احمد ندیم قاسمی نے بہت خوبصورت انداز میں کی ہے وہ لکھتے ہیں:

"منیر نیازی ایک خوف زدہ آدمی ہے وہ انسان کی کمینگی سے، عصر حاضر کی منافقت سے اپنے ہونے کی معنویت سے اور موئے آدم ایسے انجام سے خوف زدہ ہے جو بے مفہوم ہے۔"(۱۵)

منیر نیازی کی شاعری میں وجودی عناصر کا تیسرا حوالہ فرد کی گمشدگی کا حوالہ ہے واقعہ یہ ہے کہ بیسویں صدی میں مادیت اور مشینی دور کی یلغار نے جب مذہب اور عقائد کی دنیا کو تہس نہس کر دیا تو مذہب، یقین، روحانیت اور تہذیب جو مشرق کا خاصہ تھی سے فرد کا رشتہ کٹتا ہوا محسوس ہوا، اور جدید دور میں اقبال کے علاوہ تمام بڑے شعرا کے قدم لڑکھڑانے لگے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اقبال کے ہاں عقیدے کی عمارت اس قدر پختہ تھی کہ جدید ملحد نظریات اس سے ٹکرا کر خود چور چور ہو گئے لیکن جہاں تک دوسرے شعرا کا تعلق ہے تو ان کے یقین اور عقیدے کی عدم پختگی کی وجہ سے ان کی شخصیت اور وجود کا آئینہ زنگ آلود ہونے لگا اور ان کا فردوجود کی گمشدگی، مغائرت، فنا کے خوف بے مقصدیت اور فکری ابہام کا شکار ہوا مزید برآں مادیت، خود غرضی، زر پرستی اور ماحول و معاشرے کے ظلم اور جبریت نے ان کی بوریت اور اکتاہٹ میں مزید اضافہ کیا منیر نیازی کے ہاں یہ حسیت اتنی واضح ہے کہ ہمیں موجودہ عہد ان کی حسیت سے منسوب ہوتا نظر آتا ہے اس حوالے سے چند شعری مثالیں درج ہیں:

ایک میں اور اتنے لاکھوں سلسلوں کے سامنے
ایک صوتِ گنگ جیسے گنبدوں کے سامنے (۱۶)
معنی نہیں منیر کسی کام میں یہاں
طاعت کریں تو کیا ہے بغاوت کریں تو کیا (۱۷)

منیر نیازی کی وجودی کائنات کی تشکیل کا چوتھا بڑا حوالہ کرب ذات سے غم زیست کا سفر ہے، ہجرت اور فسادات سے پیدا شدہ ملال اور کرب انہیں شدید تر رائیگانی اور بے معنویت میں مبتلا کرتے نظر آتے ہیں اور اس کرب کی تشکیل ذاتی اور اجتماعی طور پر دو سطحوں پر ہونے والے دل دوز سانحات سے تشکیل پاتے ہیں۔ پہلی سطح میں جنم بھومی سے انتہائی درجے کی محبت، جدائی کا کرب، اور رفتگاں کی انمٹ یادیں ہیں جب کہ دوسری سطح پر آگ و خون کا دریا عبور کرنے کے بعد لاحاصلی کا سامنا کرنا، بلکہ حاصل شدہ ملک میں فرد کی بے توقیری، تہذیبی اقدار کی شکست و ریخت اور انسانی اقدار کی پامالی، اقربا پروری

اور اختیارات کا غلط استعمال وغیرہ ان کے دل میں خنجر اور کٹاری بن کر چبھتے ہیں اور ایسی صورت حال میں بھی وہ آنسو پیتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔

لا حاصلی ہی شہر کی تقدیر ہے منیر
باہر بھی گھر سے کچھ نہیں اندر بھی کچھ نہیں (۱۸)
جانتا ہوں ایک ایسے شخص کو میں بھی منیر
غم سے پتھر ہو گیا لیکن کبھی رویا نہیں(۱۹)

لیکن اس دوران میں وہ خالص مغربی طرز فکر کے وجودی تخلیق کار نظر نہیں آتے بلکہ ایک رجائیہ لے بہر حال ہمیشہ ان کے ہاں رواں دواں نظر آتی ہے اور یہی عناصر ان کے وجودی نظریات کو انفرادیت بخشتے ہیں۔

اس طرح آغاز شاید اک حیات نو کا ہو
پچھلی ساری زندگی کو بھول جانا چاہئے(۲۰)
راحتیں جتنی بھی ہیں سب مشکلوں کے دم سے ہیں
زندگی میں جو بھی سکھ ہے خواہشوں کے دم سے ہے (۲۱)

منیر نیازی کی شاعری میں وجودی عناصر کی تشکیل کا پانچواں بڑا حوالہ بچھڑے ہوؤں کی یاد ہے جو ہمیشہ کے لیے ان سے بچھڑ گئے اور موت نے ان کی زندگی کی ڈور ہمیشہ کے لیے کاٹ دی جن میں سر فہرست ان کے والدین ہیں ان کے والد کی ناگہانی موت جن کے حوالے سے انہوں نے اپنے مجموعے "آغاز زمستاں میں دوبارہ" میں والد مرحوم کی یاد میں باقاعدہ نظم لکھی، اس کے علاوہ اپنے مجموعے "ساعت سیار" میں انھوں نے اپنی والدہ مرحومہ کی یاد میں باقاعدہ نظم لکھی مزید برآں پہلی رفیقہ حیات صغرا خانم کی دل گداز موت، جن کے ساتھ گزرے ہوئے حسین لمحوں کی یادیں ان کے دل میں خار بن کر کھٹکتی تھی، لہٰذا مذکورہ لوگوں کی یادیں محض ناسٹلجیائی کیفیات سے بالاتر ہو کر تخلیقی سطح پر موت کی دہشت اور وجود کی بے معنویت کے حوالے سے مختلف سوالات اٹھاتے نظر آتے ہیں، اس کے علاوہ میرا سین، صادقہ، انجم اور نگہت (جو ان کی شاعری میں مختلف لڑکیوں کے کردار ہیں) وغیرہ کی یادیں اور پھر ان یادوں کے حوالے سے نارسائی کا کرب ان کی شاعری میں باقاعدہ نوحوں کی صورت میں وقوع پذیر ہوتا ہے اور اس حوالے سے ان کی نظمیں تنہائی، ہزار داستان، ایک

رات کی بات، چور دروازہ، شب ویراں اور باز گشت وغیرہ اہم نظمیں ہیں۔ اس حوالے سے ان کی غزلیہ شاعری بھی کافی اونچا بول رہی ہے بطور سند چند شعری مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

یہ اجنبی سی منزلیں اور رفتگاں کی یاد
تنہائیوں کا زہر ہے اور ہم ہیں دوستوں (۲۲)

اس دیار چشم ولب میں دل کی یہ تنہا ئیاں
ان بھرے شہروں میں بھی شام غریباں دیکھیے (۲۳)

گذشتہ بحث و تمحیث کے مجموعی جائزے سے بآسانی اس نتیجے پر پہنچا جا سکتا ہے کہ منیر نیازی کی شاعری وجودیت کے تقریباً تمام عناصر کو ایک متوازن انداز میں اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے جن سے نہ صرف منیر نیازی کی شاعری ثروت مند اور قابلِ قدر بن جاتی ہے بلکہ اردو شاعری کی مجموعی روایت، فکر وفن اور تفکر و فلسفہ کے نئے نئے محاذ فتح کرتی ہوئی عالم گیر فتوحات کی حامل نظر آتی ہے۔

حوالہ جات

ا۔ سید شفقت جبار نے اپنے ایم اے کے مقالے، منیر نیازی شخصیت و فن، ص ا،
سنبل ملک نے اپنے ایم اے کے مقالے، منیر نیازی بحیثیت شاعر، میں اور امجد طفیل نے ص ا، میں پاکستانی ادب کے معمار کے سلسلے میں لکھی جانے والی کتاب منیر نیازی شخصیت اور فن، ص ۱۱، میں ان کی ولادت ۱۹ اپریل ۱۹۲۸ء لکھی ہے۔

۲۔ پنجاب یونیورسٹی گزٹ، میٹرک اور ایس ایل سی امتحانات برائے سال ۱۹۳۹ء مخزونہ شعبہ امتحانات پنجاب یونیورسٹی لاہور ص، ۷

۳۔ منیر نیازی کے چھوٹے بھائی محمد ضمیر خان نیازی ۱۹۲۶ء میں پیدا ہوئے جو منیر سے چار سال چھوٹے تھے تاہم منیر نیازی کی پیدائش ۱۹۲۲ء ہی بنتی ہے

۴۔ شاہین مفتی، ڈاکٹر، جدید اردو نظم میں وجودیت، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۱ء، ص ۱۴

۵۔ مجی جمیل اختر، ڈاکٹر، فلسفہ وجودیت اور جدید اردو افسانہ، ایجوکیشنل پبلی شنگ ہاؤس دہلی، ۲۰۰۲ء ص ۵۸

۶۔ منیر نیازی، ماہِ منیر، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء ص ۶۵

۷۔ منیر نیازی، ساعت سیار، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ستمبر ۱۹۹۱ء ص ۳۷

۸۔ منیر نیازی، کلیات منیر، مکتبہ منیر لاہور، باراول، ۱۹۸۳ء ص ۷۸

۹۔ منیر نیازی، کلیات منیر، مکتبہ منیر لاہور، باراول، ۱۹۸۳ء ص ۲۳۵

۱۰۔ منیر نیازی، کلیات منیر، مکتبہ منیر لاہور، باراول، ۱۹۸۳ء ص ۲۷۵

۱۱۔ انتظار حسین (دیباچہ) ماہِ منیر، مشمولہ کلیات منیر، ماورا پبلیشرز لاہور، اگست ۲۰۰۵ء ص ۳۵۴

۱۲۔ عطاالحق قاسمی، استفسار، از منیر نیازی مشمولہ سہ ماہی "تسلسل" پشاور، شمارہ نمبر، ص ۸۶

۱۳۔ منیر نیازی، ماہِ منیر، ماورا پبلیشرز لاہور، اکانومی ایڈیشن، ۱۹۹۳ء ص ۸۴

۱۴۔ منیر نیازی، چھ رنگین دروازے، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء ص ۸۱

۱۵۔ احمد ندیم قاسمی، (مضمون) منیر نیازی ماہِ منیر میں، مشمولہ، ماہنامہ فنون لاہور، جلد ۲۰، شمارہ نمبر ۱، دسمبر ۱۹۷۴، ص ۶۴

۱۶۔ منیر نیازی، ماہِ منیر، دوست پبلی کیشنز، اسلام آباد، ۲۰۰۸ء ص ۱۰۶

۱۷۔ منیر نیازی، کلیات منیر، مکتبہ منیر لاہور، باراول، ۱۹۸۳ء ص ۷۸

۱۸۔ منیر نیازی، کلیات منیر، مکتبہ منیر لاہور، باراول، ۱۹۸۳ء ص، ۸۷

۱۹۔ منیر نیازی، کلیات منیر، مکتبہ منیر لاہور، باراول، ۱۹۸۳ء ص ۳۸۷

۲۰۔ منیر نیازی، ساعت سیار، الحمد پبلی کیشنز، لاہور، ستمبر ۱۹۹۱ء ص ۴۹

۲۱۔ منیر نیازی، سفید دن کی ہوا اور سیاہ شب کا سمندر، عمیر پبلیشرز لاہور، جولائی ۱۹۸۴ء ص ۴۳

۲۲۔ منیر نیازی، کلیات منیر، ماورا پبلیشرز لاہور، اگست ۲۰۰۸ء ص ۴۸

۲۳۔ منی نیازی، جنگل میں دھنک، گورا پبلیشرز لاہور، ۱۹۹۷ء ص ۹۹